پروفیسر مختار الدین احمد

آٹھویں صدی ہجری کا ایک نام ور عرب مصنف

فلسطین کا ملک، اُردن، شام، لبنان اور مصر سے گھرا ہوا ہے۔ جس طرح یہ سارے مقامات علم و فضل کا مرکز رہے ہیں، اسی طرح فلسطین کے بلاد و قصبات میں بھی علوم و فنون کا چرچا رہا ہے اور وہاں ایسے علما و ادبا اور مصنفین و شعرا پیدا ہوے ہیں جن کی دور دور تک شہرت پھیلی اور عرصے تک ان کے علم و فضل کی روشنی لوگوں کے تاریک دلوں کو منور کرتی رہی۔

مثال کے طور پر شہر بیسان کو لیجیے۔ یہ شام و فلسطین کے درمیان واقع ہے، جسے ابن السمعانی (متوفی ۵۶۴ھ) نے ''لسان الارض'' لکھا ہے۔[۱] عبدالوارث بن الحسن القرشی البیسانی اور ابوبکر احمد بن موسیٰ بن محمد الخطیب البیسانی، یہاں کے قدیم علما میں ہیں۔ بعد کے علما میں صرف القاضی الفاضل عبدالرحیم بن علی البیسانی (م۵۹۶ع) کا نام لینا کافی ہوگا۔[۲] یہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ (م۵۸۹ھ) کے وزیر و مشیر خصوصی تھے اور ''دیوان الانشا'' کی نظامت ان کے سپرد تھی۔ سلطان کی حکومت کو مستحکم بنانے میں ان کے مشوروں اور کوششوں کو بڑا دخل تھا۔ یہ ادیب، کاتب، مصنف اور شاعر تھے اور مراسلہ نویسی اور توقیع نگاری میں اپنے وقت کے امام۔ ''خریدۃ القصر و جریدۃ اھل العصر'' ان کی مشہور کتاب ہے جو بارہ جلدوں میں مکمل ہوئی۔ اس کے بیش تر اجزا مصر، شام، عراق سے چھپ چکے ہیں۔ ان کا دیوان شعر بھی اب شایع ہوگیا ہے۔ اسی طرح فلسطین کا مشہور شہر ''عسقلان'' ہے جہاں حافظ العصر ابن حجر العسقلانی (م۸۵۲ھ) جیسا متبحر عالم پیدا ہوا۔ یہ مشہور مورخ و فقیہ و محدث تھے اور علم حدیث و متعلقات حدیث میں مستند ترین مصنفین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ یہ صاحبِ تصانیف کثیرہ تھے۔ ''الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ''، ''فتح الباری'' اور ''الدرر الکامنۃ'' ان کی مشہور ترین کتابیں ہیں۔ یہیں سے قضاۃ کا ایک مشہور خاندان پیدا ہوا۔ قاضی القضاۃ دیار مصریہ، نصر اللہ بن احمد العسقلانی (م۷۹۵ھ)، ان کے بیٹے، برھان الدین ابراہیم العسقلانی (م۸۰۴ھ) یہ سب حنبلی قضاۃ میں تھے اور اپنے وقت کے مشہور علما میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

''غزّہ'' کا شہر لیجیے، یہ جنوب فلسطین میں عسقلان کے مغرب میں مصر کی طرف دو فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ قدیم اور مشہور شہر رہا ہے۔ دولت ممالیک، خاص طور پر الملک الناصر محمد بن قلاؤون کے عہد میں اس شہر کی شان وشوکت میں بہت اضافہ ہوا۔ ہاشم بن عبد مناف، جدّ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہیں وفات ہوئی۔ یہیں امام شافعی (م۲۰۴ھ) پیدا ہوئے جو صغر سنی میں حجاز کو منتقل ہوگئے تھے لیکن اپنے مسقط الراس کو نہیں بھولے۔ ان کے حسب ذیل اشعار سے اپنے وطن اصلی سے ان کی محبت کا اندازہ ہوتا ہے:

وإنی لمشتاق إلی أرض غزّۃ
وإن خاننی بعد التفرق کتمانی

سقی اللّٰہ أرضا لوظفرت بتوبھا
کحلت بہ من شدۃ الشوق أجفانی

سلیمان بن سالم الغزّی (م۷۶۴ھ)، شمس الدین خلف بن کامل الغزّی (م۷۷۰ھ)، شرف الدین عیسیٰ بن عثمان الغزّی (م۷۹۹ھ)، کا ذکر الدرر الکامنہ میں ملتا ہے۔

قدیم محدثین میں غزّہ کے علما میں ابو عبداللہ محمد بن عمرو الجرّاح الغزّی، محمد بن خنیس الغزّی، عبدالرحمٰن بن عثمان الغزّی اور بعض دوسرے علما کا ذکر السمعانی نے کیا ہے جو شیخ الاسلام شہاب الدین احمد بن عبداللہ الغزّی العامری (م۸۲۲ھ)، ابن الحجر العسقلانی (م۸۵۲ھ)، ابن قاضی شہبہ الاسدی (م۸۴۱ھ)، اور سراج الدین البُلقینی (م۸۰۵ھ) جیسے اجل علما کے استاد تھے اور متعدد اہم کتابوں کے مصنف، اسی شہر غزّہ کے رہنے والے تھے۔ بدرالدین حسن بن علی الغزّی (م۷۵۴ھ) ابوالبرکات محمد بن احمد بن عبداللہ بن بدر العامری الغزّی الشافعی (م۸۶۴ھ) مصنف ''بہجۃ الناظرین الی تراجم المتأخرین من الشافعیۃ المعتبرین'' اور ''سیرۃ الملک الظاہر سیف الدین چقمق''، ان کے بیٹے قوام الدین محمد (م۹۳۵ھ) اور بدرالدین محمد بن محمد بن محمد (م۹۸۴ھ) اور نجم الدین محمد (بعد از ۱۰۰۰ھ) مصنف ''الکواکب السائرۃ'' کا مسقط الراس بھی غزّہ ہی تھا۔ متقدمین ادبا و شعرا میں ابواسحٰق ابراھیم بن عثمان الغزی (م۵۲۴ھ) صاحبِ دیوان شاعر گزرے ہیں اور شمس الدین محمد بن علی الغزّی (م۷۶۱ھ) کام یاب شاعر اور ممتاز نثر نگار تھے۔ کتب تاریخ ورجال میں یہاں کے علما کا کثرت سے ذکر ملتا ہے۔

پھر ''رملہ'' جو فلسطین میں بیت المقدس کے شمال میں واقع ہے، مشہور سیاح اور عرب جغرافیہ نویس اور کتاب ''صور الاقالیم'' اور ''کتاب مسالک الممالک'' کے مصنف الاصطخری (م۳۴۶ھ) کے نزدیک صوبے کا سب سے بڑا شہر یہی ''رملہ'' ہے اور ''بیت المقدس'' (جسے یاقوت الحموی نے صدر مقام لکھا ہے) اس کے اور ابن فضل اللہ العمری (م۷۴۹ھ) کے نزدیک دوسرے درجے کا شہر ہے۔

یہاں کی خاک سے علما و فضلا کی ایک جماعت پیدا ہوئی۔ السمعانی نے دوسری صدی ہجری کے علما میں ایوب بن سوید الرملی (۱۹۳ھ)، ابوزکریا یحیٰی بن عیسیٰ بن عبدالرحمٰن الرملی (م۳۰۲ھ) اور تیسری صدی ہجری کے علما میں ابوعبداللہ محمد بن عبدالعزیز الرملی، یزید بن خالد بن موھب الرملی، یزید بن خالد بن مرسل الرملی، یونس بن عبدالرحیم الرملی، احمد بن عبدالواحد بن سلیمان الرملی، محمد بن احمد بن شیبان الرملی، عبدالمؤمن بن شیبان الرملی کے اسماے گرامی درج کیے ہیں۔ محمد بن عبدالرحمان العلیمی (م۸۷۳ھ) مشہور حنبلی وفقیہ ومحدث بھی رملہ ہی کے تھے جو بعد میں یہاں کے قاضی مقرر ہوے اور جنھوں نے یہیں وفات پائی۔ شیخ الاسلام شہاب الدین احمد بن حسین الرملی الشافعی (م۸۴۴ھ) بھی اسی سرزمین میں پیدا ہوے تھے، اگرچہ ان کی وفات قدس میں ہوئی۔ قاضی عیاضؒ (م۵۴۴ھ) کی کتاب ''الشفا فی تعریف حقوق المصطفٰی'' کی شرح ان کی لکھی ہوئی اب بھی محفوظ ہے۔ فقہ، توحید و تصوف میں ان کی تصنیف ''کتاب الزہد'' بھی قابلِ ذکر ہے۔ لیکن ان کا اصل کارنامہ ''طبقات الشافعیہ'' ہے، جس کے کسی نسخے کا اب تک پتا نہیں چل سکا ہے۔ شیخ الاسلام اور فقیہ مذہب حنفی خیرالدین احمد الرملی بھی یہیں پیدا ہوے، جن کی کتاب ''الفتاویٰ الخیریہ لنفع البریۃ'' فقہِ حنفی کی مشہور کتاب ہے۔ پھر فقیہ عصر شمس الدین الانصاری الرملی، جنھیں دسویں صدی ہجری کا مجدّد کہا جاتا ہے، ''غایۃ البیان فی شرح زبدۃ الکلام'' کے مصنف ہیں اور یہ شرف بھی رملہ ہی کو حاصل ہے کہ استاد الاساتذہ، علامہ محقق، امام الحرمین محمد بن احمد بن حمزہ الرملی المصری (۱۰۰۴ھ) جیسا عالم یہیں کی خاک سے اٹھا۔

فلسطین کے شہر ''نابلس'' سے کون واقف نہیں، جہاں فقہ و تصوف اور مختلف موضوعات کی بہت سی کتابوں کے مصنف عبدالغنیٰ النابلسی الحنفی (م۱۱۴۳ھ) سا عالم پیدا ہوا جن کا قیام اگرچہ فلسطین میں کم رہا اور جن کی نشوونما دمشق میں ہوئی لیکن اپنے آبا و اجداد کے تعلق وطن سے ''نابلسی'' کہلاے اور اسی نسبت سے آج بھی عالم اسلام انھیں جانتا ہے۔ ''کتاب الاوراد'' (دمشق ۱۸۶۴م) اور ''ایضاح الدلالات فی جواز سماع الآلات'' (دمشق ۱۸۸۴) ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ کہا جاتا ہے دمشق کی سب سے پہلی مطبوعہ کتاب یہی ''کتاب الاوراد'' ہے جو ۱۸۶۴ میں وہاں سے شایع ہوئی۔

اور پھر پاک اور مقدس شہر ''بیت المقدس'' ہے، جس پر کتنے عربوں نے اپنی جانیں نثار کی ہیں اور لاکھوں اب بھی سر سے کفن باندھے بیٹھے ہیں۔ یہ شہر تو علما کا مخزن اور علم کا گہوارہ رہا ہے۔ ابتدائی تین صدیوں سے قطع نظر کر کے چوتھی صدی ہجری کے مشہور جغرافیہ دان اور مصنف شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر المقدسی (م ۳۸۰ھ) کا ذکر ضروری ہے، جو جغرافیہ کی مشہور عالم کتاب ''احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم'' کے مصنف ہیں۔ پانچویں صدی میں ابوالمعالی المشرف بن المرجی بن ابراھیم المقدسی، مصنف ''فضائل بیت المقدس والشام'' ابوالفتح نصر بن ابراھیم بن نصر المقدسی (متوفی ۴۹۰ھ) صاحب ''رسالۃ عن نسب النبیؐ وقرابتہ'' ابوالفضل محمد بن طاہر بن علی المقدسی المعروف بابن القیسرانی (م ۵۰۷ھ) مصنف ''الانساب المتفقہ'' اور کچھ دوسرے علما نے شہرت حاصل کی۔ چھٹی اور ساتویں ہجری میں کثرت سے یہاں علما پیدا ہوئے، جن کے حالات وتصانیف کے ذکر سے کتب سیر وتاریخ بھری پڑی ہیں۔ ابومحمد عبداللہ بن بری المقدسی (متوفی ۵۸۲ھ) نے ''درہ الغواص'' للحریری اور ''الصحاح'' للجوھری پر حواشی وتعلیقات لکھے اور ابن الخشاب النحوی (متوفی م ۵۶۷ھ) اور الجوالیقی (م ۵۳۹ھ) جیسے ائمۂ نُحاۃ کی رد میں کتابیں تصنیف کیں۔ تقی الدین بن عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی الحنبلی (متوفی ۶۰۰ھ) کی ''الاحکام الکبریٰ'' اس قدر مقبول ہوئی کہ اس کی کوئی پندرہ شرحیں لکھی گئیں۔ وہ ''الکمال فی معرفۃ اسما الرجال'' اور دوسری کتابوں کے بھی مصنف ہیں۔ مشہور شافعی فقیہ ومصنف موفق الدین ابومحمد عبداللہ بن احمد بن قدامۃ الجماعیلی المقدسی (متوفی ۶۲۰ھ)، جنھوں نے تاریخ میں ''فضائل الصحابۃ''، ''التبیین فی أنساب القرشیین''، ''الاستبصار فی أنساب الانصار'' اور فقہ میں ''کتاب المغنی'' بیس جلدوں میں لکھی۔ یہ اور بھی بعض مشہور کتابوں کے مصنف ہیں۔ مشہور مؤرخ شہاب الدین ابوالقاسم ابوشامۃ المقدسی (متوفی ۶۶۵ھ) کی تصنیف ''الروضتین فی أخبار الدولتین'' اور ''ذیل الروضتین'' نے بہت شہرت پائی۔ محمد بن عبدالواحد بن احمد المقدسی (متوفی ۶۶۸ھ) نے ''فاکھۃ المجالس'' تصنیف کی، جو دمشق کی تاریخ ہے۔ یہ بڑے زود قلم کاتب بھی تھے۔ جنھوں نے پچاس سال تک کتابت کا کام کیا اور کوئی دو ہزار قلمی نسخے انھوں نے لکھ کر تیار کیے۔ ابن عساکر کی ''تاریخ دمشق'' جیسی ضخیم کتاب انھوں نے دوبار لکھی۔ قاضی القضاۃ تقی الدین سلیمان بن حمزہ المقدسی (م ۷۱۵ھ) نے بیت المقدس پر مشہور تاریخی کتاب ''الأنس الجلیل بہ تاریخ القدس والخلیل'' تصنیف کی جس کا مستشرقین نے فرانسیسی میں ترجمہ کیا اور جو پیرس سے ۱۸۷۱ء میں شائع ہوا۔ ابونصر احمد بن عبدالرزاق المقدسی نے ''الطرائف واللطائف'' تصنیف کی اور ابومحمد علی بن سلامۃ المقدسی نے الملک

الظاہر برقوق (م۸۰۱ھ) کے عہد میں سعد الدین ابن غُراب (متوفی ۸۰۸ھ) کے لیے ''غایۃ المرام فی تخاطب الاقلام'' لکھی۔

ان کے علاوہ علما میں فخر الدین علی بن احمد بن عبدالواحد السعدی المقدسی الصالحی الحنبلی (م۶۹۰ھ) جو الفخر بن البخاری کے نام سے مشہور ہیں اور جنھیں ''مسند الدنیا'' اور ''محدث الاسلام'' کہا جاتا ہے، ابو حفص عمر بن عبدالمنعم الطائی المقدسی، مشہور بابن القواس (م۶۹۸ھ)۔ شرف الدین ابوالحسن علی بن القاضی ابی المکارم المفضل بن علی بن المفرج المقدسی المالکی (م۶۱۱ھ) صاحب ''کتاب الاربعین'' مؤرخوں میں ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم بن قاسم المقدسی صاحب ''نزھۃ ذوی الالباب فیما وافق بہ عمر بن الخطاب''، حکما و اطبا میں احمد بن عثمان بن ھبۃ اللہ المقدسی (متوفی قرن سابع) مصنف ''نتیجۃ الفکر فی امراض البصر''، عبداللہ المقدسی مصنف ''السر المصون فی اخبار الطاعون''، علی بن یوسف بن عبداللہ المقدسی، مؤلف ''الشامل فی الادویۃ المفردۃ'' نور الدین علی بن غانم المقدسی، (م۱۰۰۴ھ) صاحب ''التذکرۃ فی الطب'' اور صوفیا کرام میں عز الدین عبدالسلام بن احمد بن غانم بن علی المقدسی الواعظ (م۶۷۸ھ)، جنھوں نے ''تفلیس ابلیس''، ''کشف الاستار'' ۳۲ اور کئی کتابیں لکھیں۔ یہ سب اس سرزمین بیت المقدس کے رہنے والے تھے۔

یہیں سے ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں عیسیٰ بن عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی، ابو محمد علم بن عبدالرحمٰن الکریم حازم المقدسی، محمد بن یحییٰ بن محمد بن سعد بن عبداللہ المقدسی، عز الدین ابراہیم بن عبداللہ بن قدامۃ المقدسی (م۶۶۶ھ) اور ان کے اساتذہ شہاب الدین محمد بن خلف بن راجح المقدسی، (م۶۱۸ھ)، عز الدین محمد بن عبدالغنی المقدسی (م۶۱۳ھ) اور پھر دوسرے علما جیسے احمد بن ابراہیم بن العماد المقدسی (م۶۸۸ھ)، قاضی القضاۃ نجم الدین احمد بن عبدالرحمٰن المقدسی (م۶۸۹ھ) جیسے علماء نکلے، جنھوں نے بیت المقدس اور اس کے اطراف ہی میں نہیں بلکہ عالم اسلام کے بیش تر حصوں میں علم کی روشنی پھیلائی۔

صَفَد:

فلسطین کے ان شہروں کی طرح ''صَفَد'' بھی وہاں کا ایک قدیم شہر ہے جو ''عکّا'' سے تیس میل پر جانب شرق اور طبریہ جھیل کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ صلیبی جنگوں سے قبل یہ شہر غیر معروف تھا کیوں کہ چھٹی صدی ہجری/ تیرھویں صدی عیسوی سے پہلے اس شہر کا ذکر کوئی جغرافیہ داں نہیں کرتا۔ ''صفد'' کا قلعہ صلیبی جنگ جووں نے چھٹی صدی ہجری کے وسط میں تعمیر کیا اور بعد کو اسے بہت مستحکم

کر دیا تھا۔ جب سلطان شہید نورالدین محمود بن زنگی (م۵۶۹ھ) کی افواج قاہرہ نے بالڈون کوشکست دی تو اس نے یہیں صفد میں آ کر پناہ لی تھی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۵۸۳ھ میں ''حطّین'' کے مقام پر صلیبی حملہ آوروں کو شکست فاش دے کر شام اور فلسطین کی یکے بعد دیگرے ریاستیں ختم کر ڈالیں اور بیت المقدس کو دوبارہ فتح کرلیا اور ۱۴ شوال ۵۸۴ھ کو ''صفد'' پر بھی اس کا قبضہ ہو گیا۔

ساتویں صدی ہجری، عالم اسلام کے لیے اختلال کا زمانہ تھا۔ ایشیا کی ایک نئی طاقت اٹھی اور چنگیز خاں کی قائم کردہ مغول سلطنت کی شکل میں نمودار ہوئی، جس نے بغداد کی عباسی خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ ادھر مصر میں مملوک ترکوں کی سلطنت کی بنیاد پڑی، جس نے نہ صرف یہ کہ مغول یلغار کو روک دیا بلکہ شام میں انھیں پے در پے ایسی شکستیں دیں، جنھوں نے ان کی عسکری قوت کی کمر توڑ دی اور انھی مملوک سلاطین نے ارض مقدس سے صلیبیوں کے آخری نشان بھی مٹا دیے۔

جس دور اختلال کا ہم ذکر کر رہے ہیں، اس میں کئی بار صلیب و ہلال کا معرکہ گرم ہوا۔ اس زمانے میں بعض شہر کبھی مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ جاتے تو بعض شہر عیسائیوں کے قبضے میں چلے جاتے۔ آخر ۶۶۴ھ میں سلطان الملک الظاہر بیبرس (م۶۷۶ھ) نے گیارہ دنوں کے شدید محاصرے اور گھمسان کی جنگ کے بعد ''صفد'' کے قلعے کو صلیبیوں سے چھین کر اپنے زیرِ نگیں کرلیا۔ سلطان نے قلعے کے استحکام کو مضبوط تر کیا اور وہاں ایک مسجد بھی تعمیر کی۔

نویں صدی ہجری کے آخر میں بایزید کے بیٹے سلیم اول (م۹۴۶ھ) نے ترکی مملوکوں کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور شام کا پورا وسیع علاقہ عثمانی ترکوں کے زیرِ نگیں آ گیا۔ دیگر شہروں کی طرح ''صفد'' پر بھی ان کا بلامزاحمت قبضہ ہو گیا اور اس کا انتظام و انصرام دمشق کی ولایت سے متعلق کر دیا گیا، لیکن عثمانی ترکوں کے دورِ حکومت میں اس شہر نے اپنی قدیم عظمت کھو دی۔ رہی سہی کسر متعدد زلزلوں نے پوری کر دی اور وہاں ایک ایسی تباہی پھیلی کہ شہر ویران ہو گیا۔ انیسویں صدی کے اواخر میں سلطنتِ عثمانیہ میں جدید اصلاحات عمل میں آئیں تو صفد انتظامی اعتبار سے بیروت کی ولایت کا حصہ قرار دے دیا گیا۔

استعماری طاقتوں اور مغربی سیاست دانوں کے ''فیوض عالیہ'' سے فلسطین کے بعض دوسرے شہروں کی طرح صفد بھی اب عربوں کے پاس نہیں رہا، یہ فی الحال اسرائیلی قبضے میں ہے۔ اس کی آبادی کچھ عرصہ پہلے ۱۳ ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ مسلمانوں کے عہدِ حکومت میں یہودیوں کی تعداد ایک تہائی تھی لیکن اب مراقش، الجزائر اور دوسرے مقامات سے بہت سے یہودی یہاں آ کر شہر میں آباد ہو گئے ہیں۔

صفد، ایک زرخیز وادی میں واقع ہے۔ لہلہاتے کھیت اور انواع واقسام کے پھلوں کے باغات تاحدِ نظر دکھائی دیتے ہیں۔ جھیل طبریہ کا خوب صورت منظر دامنِ دل کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ قلعے کے کھنڈر ایک ٹیلے پر اب بھی دکھائی دیتے ہیں اور سلطان الملک الظاہر بَیبرس کا تعمیر کردہ برج وہاں صحیح وسالم موجود ہے اور مسلم حکمرانوں کی داستانِ عظمت اب بھی سنا رہا ہے۔

صَفَد، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، سلطان صلاح الدین ایوبیؒ اور ان کے اخلاف کے قبضے میں بہت زیادہ دن نہیں رہا۔ اس عہد میں اچھے انشا پرداز، اور ممتاز مصنف ضرور پیدا ہوے ہوں گے لیکن کتبِ تاریخ میں اس عہد کے علمی فروغ کی کوئی واضح تصویر نہیں ابھرتی۔ مملوک سلاطین کے عہد میں یہ شہر علم وفن کا مرکز تھا۔ اس کی خاک سے بہت سے اربابِ علم وفضل اٹھے۔ یہاں استقصا مقصود نہیں لیکن کچھ مصنفین کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

صفد کے علما:

ابوسعید عبدالرحمٰن بن احمد یونس الصَفَدی (م ۳۴۷ھ)، جنھوں نے علماے مصر کے حالات میں ''کتابِ مصر'' اور مصر کی تاریخ میں ''کتاب المفید فی تاریخ الصعید'' تصنیف کی۔

ابوالفضائل یوسف بن ہلال بن ابی البرکات جمال الدین الحنفی الصفدی (م ۶۹۶ھ) ادیب وفقیہ تھے۔ ان کی تصانیف میں ''ارجوزۃ فی الخلاف بین ابی حنیفۃ والشافعی'' اور ''کشف الاستار''[۴] قابلِ ذکر ہیں۔

الحسن بن ابی محمد عبداللہ الہاشمی، جو مصری سلطان، الملک الناصر بن قلاؤون الصالحی کے مقرّب لوگوں میں تھے، وہ ''نزہۃ المما لک والمملوک فی مختصر من ولی مصر من الملوک'' کے مصنف ہیں۔ یہ مصر کی مختصر تاریخ ہے، جس کے دو قلمی نسخے کتب خانۂ ملی پیرس میں اور ایک اچھا نسخہ متحف بریطانی، لندن میں محفوظ ہے۔ ان کی وفات راقم سطور کے اندازے کے مطابق آٹھویں صدی ہجری کے ربع اول میں ہونی چاہیے۔

فخرالدین عثمان بن ابراہیم الشافعی الصفدی، یہ سلطان الملک الصالح نجم الدین ایوب (م ۶۴۷ھ) کے کاتب (سکریٹری) تھے۔ ان کی تصنیف ''تاریخ الفیوم وبلادہ'' کے نام سے مصر سے ۱۸۹۸ء میں شایع ہو چکی ہے۔ اُن کی دو اور تصانیف کا ذکر بروکلمان نے کیا ہے۔

قاضی القضاۃ شمس الدین العثمانی الصفدی (م ۷۸۰ھ) یہ اپنے عہد میں خاصی شہرت رکھتے تھے۔ یہ ''طبقات الفقہا''[۵] اور ''تاریخ صفد'' کے مصنف ہیں۔ افسوس ہے کہ صفد کی تاریخ اب تک

مفقود ہے ورنہ صفد کے بہت سے عالموں، مصنفوں، شاعروں اور ادیبوں کے متعلق بھی بہت اہم معلومات حاصل ہوسکتی تھیں۔

عبداللہ الصفدی (م۱۰۰۹ھ) یہ فلکیات کے ماہروں میں شمار کیے جاتے تھے۔ فاطمی خلیفہ المنصور بن العزیز الحاکم بامراللہ کے دربار سے متوسل تھے۔ اپنی کتاب ''الزیج الحاکمی'' انھوں نے اسی فاطمی خلیفہ کو مرتب کر کے پیش کی تھی۔ اس میں تفصیل سے جدِ اوّل فلکی درج کیے ہیں۔ کتب خانۂ جامعہ لائیڈن (ہالینڈ) میں اس کا ایک اچھا قلمی نسخہ محفوظ ہے جو راقم کی نظر سے گزر چکا ہے۔

علاالدین علی بن محمد صالح ابن الرسام الصفدی (م۷۴۹ھ) یہ سپاہی پیشہ تھے۔ لیکن بعض احباب اور عالموں کی صحبتوں کا اثر یہ ہوا کہ وہ جید عالم ہوے اور بعض علمی مناصب پر مامور کیے گئے اور شہر صفد میں ان کی وجہ سے علم الفرائض اور دوسرے فقہی علوم کی بہت ترویج و اشاعت ہوئی۔

صالح بن علی الصفدی (م۱۰۷۸ھ) یہ صفد میں پیدا ہوے لیکن تحصیل علم کے لیے قاہرہ گئے۔ تکمیل کے بعد واپس آے تو صفد ہی میں انھوں نے مسند تعلیم و تدریس بچھائی۔ انھیں قاضی کا عہدہ بھی تفویض ہوا۔

''بغیۃ المبتدی'' اور ''تاریخ فخر الدین ابن معن وابنہ علی'' ان کی تصنیف کردہ ہیں جو جامعہ میونخ (مغربی جرمنی) کے کتب خانے میں محفوظ ہے اور غالباً اسی نسخے کی بنیاد پر یہ کتاب بیروت سے ۱۹۳۶ء میں شایع ہوئی ہے۔

آٹھویں صدی کے علماء میں مندرجہ ذیل کا ذکر ابن قاضی شھبۃ الاسدی نے کیا ہے: شیخ صفد شہاب الدین احمد بن موسیٰ بن خفاجا الصفدی (م۷۵۰ھ)۔٦ صاحب ''شرح التنبیہ'' علا الدین علی بن عبدالرحمٰن بن الحسین بن الخطیب العثمانی الصفدی (م۷۵۹ھ)، صاحب ''کتاب النافع'' اور خطیب صفد نجم الدین حسن بن محمد الصفدی (م۷۳۴ھ)۔ دسویں اور گیارھویں صدی ہجری کے علما میں اسد الدین بن محمد الصفدی اور البدر بن حامد الصفدی کے حالات بدرالدین حسن بن محمد البورینی (م۱۰۲۴ھ) نے اپنی اس کتاب میں لکھے ہیں۔ اس میں ۹۶۰ھ سے ۱۰۴۰ھ تک کے معاصر علما و ادبا کے حالات درج ہیں۔ ۷

یہ مصنفین اور کچھ دوسرے علما ''صفد'' کے قابلِ ذکر ہیں لیکن یہاں کا گل سرسبد جس کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی ہے اور آج بھی دنیا اس کی تصانیف سے مستفیض ہو رہی ہے وہ صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی ہے جس شخصیت سے ''صفد'' کی یاد اب بھی دلوں میں باقی ہے۔

صلاح الدین الصفدی:

صلاح الدین خلیل بن الامیر عزالدین ایبک بن عبداللہ الالبکی الصفدئی کی کنیت ابو الصفا تھی۔ ۸؎ ان کے سالِ ولادت میں اختلاف ہے۔ وہ ۶۹۶ھ میں یا بہ قول بدرالدین الشوکانی۔ ۹؎ ۶۹۷ھ میں ''صفد'' میں پیدا ہوئے ابن قاضی شھبہ نے ۶۹۶ھ اور دونوں اقوال لکھے ہیں۔ ۱۰؎ جب کہ ابن حجر العسقلانی سالِ ولادت ۶۹۴ھ کے لگ بھگ قرار دیتے ہیں۔ ۱۱؎ ان کے والد کا نام عزالدین خلیل ایبک ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ترک نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا شمار مملوک امرا میں تھا۔ الصفدی کی نشوونما اور تربیت والد کی نگرانی میں خوش حالی کی فضا میں ہوئی۔ ۱۲؎ انھوں نے ابتدائی تعلیم مقامی اساتذہ سے حاصل کی۔ اپنے شہر ''صفد'' کے اہم علما سے انھیں فیض اٹھانے کے مواقع فراہم تھے۔ اس لیے کہ حدیث و تفسیر، تاریخ و ادب کے اساتذہ وہاں موجود تھے۔ لیکن وہ کسی وجہ سے صفد میں اپنی تعلیم سے مطمئن نہیں تھے اور اس کے لیے وہ اپنے والد کو موردِ الزام قرار دیتے ہیں۔ ۱۳؎

شاید ان کی ہمتیں بلند تھیں اور وہ مقامی علما سے استفادہ کے بجائے شام و مصر کے مشہور ترین اور فاضل ترین اساتذہ سے فیض اٹھانا چاہتے تھے اور ان کا خاندان متوقع تھا کہ اوسط درجے کی تعلیم کے بعد حکومت کے دفاتر میں متصدی بن جائیں اور ''توقیع الدست'' یا اسی قسم کے فرائض دارالانشا میں ملازم ہو کر انجام دینا شروع کر دیں۔

تعلیم:

الصفدی کی صحیح تعلیم ان کے ذوق کے مطابق اس وقت شروع ہوئی جب وہ بیس سال کے ہو چکے تھے۔ ۱۴؎ اپنی تعلیم اور اپنے اساتذہ سے غیر مطمئن ہو کر ''دمشق'' کا انھوں نے سفر کیا جو ان کے وطن ''صفد'' سے قریب ہی تھا اور اس عہد میں علم و فن کا مرکز تھا۔ خوش نصیبی سے انھیں بہت اچھے اساتذہ سے استفادے کے مواقع حاصل ہوئے۔ انھوں نے صرف و نحو اور لغت کی کتابیں ابو حیان النحوی الاندلسی (۷۴۵ھ) سے پڑھیں اور شعر و ادب میں ابن نباتہ المصری (م ۷۶۸ھ)۔ ۱۵؎ اور قاضی شہاب الدین محمود الحلبی الدمشقی (م ۷۲۵ھ) سے فیض حاصل کیا تقی الدین السبکی (م ۷۵۶ھ) سے متداول علوم انھوں نے حاصل کیے اور فنِ حدیث اور اس کے متعلقات کے لیے جمال الدین حافظ ابو الحجاج یوسف بن عبدالرحمٰن المزی (م ۷۴۳ھ) اور فقہ شافعی کے لیے بدرالدین ابن جماعہ (م ۷۳۷ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ تاریخ و فقہ میں شمس الدین الذھبی (م ۷۴۸ھ) سے اور مغازی و سیر میں فتح الدین بن سیّد الناس الاندلسی (م ۷۳۴ھ) سے فیض حاصل کیا۔ ادیب شہیر قاضی

شہاب الدین محمود سے الصفدی نے ''المقامات'' للحریری پڑھنے کا ذکر خود کیا ہے۔ الصفدی، القاضی الفاضل کی طرح الحریری (م ۵۱۶ھ) کے بڑے مداح اور مقامات کے بڑے معترف تھے۔[۱۶] اور یہ ان کی پسندیدہ کتابوں میں تھی۔ الشوکانی نے ان کے اساتذہ میں فخر الدین یونس بن ابراہیم الدبوسی العسقلانی (م ۷۲۹ھ) کا بھی ذکر کیا ہے۔[۱۷]

''دمشق'' کے دورانِ قیام میں مشہور مؤرخ اور نام ور مصنف شمس الدین الذھبی (م ۷۴۸ھ) اور قاضی تقی الدین السبکی (م ۷۷۱ھ) سے الصفدی کے بہت گہرے مراسم پیدا ہو گئے۔ الذھبی نے لکھا ہے: ''سمع منی وسمعت منہ'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں نے ایک دوسرے سے استفادہ کیا۔ جہاں الصفدی نے الذھبی سے متعدد علوم حاصل کیے وہاں الذھبی بھی الصفدی کے معلومات و محفوظات سے مستفید ہوتے رہے۔ بہر حال ان دونوں جلیل القدر علما کی صحبتوں سے انہیں بہت فائدہ پہنچا۔ یہ دونوں مصنفین بھی الصفدی کی طرح تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رجال و سیر کی طرف الصفدی کی توجہ مبذول کرانے اور ان موضوعات پر تصانیف مرتب کرانے میں ان دونوں اصحاب کا پورا تعاون انھیں حاصل رہا ہے۔

احباب:

الصفدی کے دوستوں اور ہم عمروں میں کچھ اصحاب کا ذکر استطرادأ سہی بعض مصادر میں ملتا ہے۔ ان میں تاج الدین السبکی، مصنف ''طبقات الشافعیہ الکبری'' قابلِ ذکر ہیں۔ جن کا سال ولادت ۷۲۷ھ ہے۔ یہ الصفدی (سال ولادت ۶۹۶ھ) سے عمر میں کوئی تیس سال چھوٹے تھے یہ ان کی خدمت میں حاضر رہتے اور ان کے سرچشمۂ علم سے دوستانہ فیض حاصل کرتے۔ السبکی خود رقم پرداز ہیں۔[۱۸] مقدمہ کتاب:

> ''کنت اصحبہ منذ کنت دون سن البلوغ، وکان یکاتبنی واکاتبہ، وبہ رغبت فی الادب، فربما وقع لی شعر رکیک من نظم الصبیان فلکتبہ ھو عنی اذ ذاک، وانا اذاکر بعض ما بیننا مما کان فی صغری''۔

بہر حال الصفدی کی صحبت سے ان میں ایسا ملکہ پیدا ہو گیا جو ان کے لیے نہایت مفید ثابت ہوا اور بعد کے زمانے میں یہ صحبت اور دوستانہ تعلقات ان کے ایک کام یاب اور نام ور مصنف بننے میں ممد و معاون ہوے۔

تاج الدین السبکی اور الصفدی کے تعلقاتِ مودّت محبت کا حال طبقات الشافعیہ میں پھیلا ہوا ہے۔[۱۹] السبکی جب ۷۶۳ھ میں دمشق سے مصر چلے گئے اس زمانے میں الصفدی اپنے

دوست کی جدائی سے بہت مغموم تھے، اس کا اندازہ اس والہانہ مقطوعے سے ہوسکتا ہے جو انھوں نے السبکی کو مصر بھیجا تھا، جس میں دمشق کا، وہاں کی عورتوں کا، وہاں کے لوگوں کا اور فراق کے مارے ہوئے دوستوں کا حال نظم کیا تھا۔

یہاں صرف ایک شعر یا مصرع نقل کیا جاتا ہے:

لکن جعلت الشام بعدک کالجحیم وکان جنۃ

(دمشق تو جنت تھی لیکن تم نے (اپنے فراق سے) اسے جہنم بنا دیا ہے)۔

الذھبی، الصفدی کے استاد تھے لیکن بعد کو تعلقات دوستانہ ہو گئے تھے۔ الذھبی کا قول جسے ابن قاضی شھبہ نے بھی نقل کیا ہے [20] ''سمع منی وسمعت منہ'' اوپر گزرا۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جہاں الصفدی نے الذھبی سے بہت علوم حاصل کیے، وہاں الذھبی بھی الصفدی کے خیالات ومعلومات سے مستفید ہوتے رہے۔

الصفدی کے دوستوں میں اور ان سے تعلقات رکھنے والوں میں دو نام اور قابلِ ذکر ہیں: بدرالدین حسن بن علی الغزّی المعروف بالزغاری (م۷۵۳ھ) اپنے وقت کے ممتاز شاعر اور ادیب تھے، جنھوں نے الصفدی کے جواں مرگ بھائی جمال الدین ابراہیم کی وفات پر ۷۴۲ھ میں الصفدی سے تعلقات محبت ومودت کی بنا پر بڑے پر اثر رثائی قصائد ومقطوعات لکھ کر بھیجے اور انہیں تسلی دی۔ [21] پھر ابراہیم المعمار (م۷۴۹ھ) ہیں، جن کے متعلق الصفدی کی روایت ابن تغری بردی نے نقل کی ہے کہ جب الصفدی ۷۴۰ھ میں قاہرہ آئے تو شاعر نے ان کی آمد کی خوشی میں متعدد قطعات لکھ کر ان سے اپنی دوستی اور محبت وعقیدت کا ثبوت دیا۔ [22]

سیرت:

مورخین الصفدی کی حسن وسیرت کے معترف نظر آتے ہیں۔ انھوں نے ان کی خوش اخلاقی، خوش طبعی اور حسنِ عشرت کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ ابن حجر لکھتے ہیں۔ [23] ''کان محبا الی الناس، حسن المعاشرہ، جمیل المودۃ'' ایک مؤرخ انہیں ''من بقایا الرؤساء الاخیار'' میں شمار کرتے ہیں۔ [24] اور ان کے ایک استاد نے ''المنتھی فی مکارم الاخلاق ومحاسن الشیم'' لکھ کر [25] ان کے اخلاق وعادات کی جو تعریف کی ہے اور انھیں جو درجہ دیا ہے وہ ظاہر ہے۔

تلامذہ:

یہ تو الصفدی کے ان اساتذہ اور دوستوں کا ذکر تھا، جن سے وہ متاثر ہوئے اور جن

کا حال قدیم مصادر میں ملتا ہے۔ ان کے شاگردوں میں الشیخ ابوعبداللہ القاضی امین الدین محمد بن حسن (یا محمد بن علی بن حسن) بن عبداللہ الانفی المالکی الفقیہ (۷۹۳ھ) کا ذکر قاضی ابن شھبۃ نے کیا ہے۔ ۲۶؎ ''قرأ الحدیث والفقہ ونسخ کثیراً من الاجزا الکتب، ولی قضا حلب مدۃ۔'' پھر وہ خود الصفدی کا قول نقل کرتے ہیں، ''نسخ جملۃ من تصانیفی وقرا علیّ أشیا من شعری ومن مصنفاتی، کان حسن الشکل، حلو العبارۃ''۔ الذھبی بھی ان کے ناسخ وکاتب ہونے کا ذکر کرتے ہیں: ''نسخ من الاجزا والکتب کثیراً''۔

الصفدی کے ایک شاگرد الصدر العالم البارع امین الدین محمد بن محمد بن علی بن احمد الحنفی المشہور بابن الادمی (۷۳۷۔۷۹۵ھ) ہیں جنھوں نے الصفدی سے ادب کی تعلیم حاصل کی اور ان کی اکثر تصانیف ان سے پڑھیں۔ ۲۷؎

ایک اور شاگرد الشیخ بدرالدین خلیل بن محمد بن سلیمان بن علی الحلبی الشافعی (م ۷۹۸ھ) ہیں۔ ابن قاضی شھبہ لکھتے ہیں۔ ۲۸؎

> ''کان بارعاً حسن الخط، وأجازلہ صلاح الدین الصفدی فی استدعاء کتبہ الیہ نظماً ونثراً فاجابہ وجازہ''۔

یہاں اور مصادر سے قطع نظر کر کے صرف ایک کتاب الذھبی کی ''تاریخ الاسلام'' کی صرف پہلی جلد سے الصفدی کے تین شاگردوں کا حال لکھا گیا، اس کتاب کی بقیہ مجلدات اور دوسرے مراجع سے ان کے کچھ اور تلامذہ کا پتا چل سکتا ہے۔

یہاں یہ بات دلچسپی سے دیکھی جائے گی کہ ان تینوں شاگردوں میں ایک مالکی، دوسرے حنفی، تیسرے شافعی ہیں۔ ان تین میں دو اصحاب کے حسن خط کی بھی صراحت ملتی ہے، بلکہ قاضی الانفی المالکی کے متعلق تو الصفدی کا بیان گزرا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاگرد رشید نے اپنے استاد کی ساری تصانیف اپنے ہاتھ سے نقل کی تھیں۔

ان تلامذہ کے علاوہ ان طلبا اور علما کی ایک کثیر تعداد ملے گی جنھیں الصفدی نے اسناد اجازت مرحمت کی ہیں۔ ان کے تفصیلی ذکر کا یہ موقع نہیں لیکن الامیر شہاب الدین احمد بن سنقر بن الدوادار الصفدی، علاالدین علی الخوائصی الصفدی، ان کے بھائی الشیخ شہاب الدین احمد الصفدی کا ذکر ''الوافی بالوفیات'' میں دیکھا جاسکتا ہے۔

الصفدی کا خاندان:

الصفدی کے خاندانی حالات کی طرف ان کے سوانح نگاروں نے بہت کم توجہ کی ہے۔ اس لیے نہ ان کی ابتدائی زندگی کے حالات ملتے ہیں نہ ان کے صفد کے قیام کے اور دمشق، حلب، رحبہ اور قاہرہ کے سفر اور وہاں ان کی زندگی کے متعلق کتب تاریخ سے زیادہ اطلاعات حاصل ہوتی ہیں۔

ان کے والد عز الدین اَیبک بن عبداللہ الصفدی کے متعلق بھی صرف چند فقرات ملتے ہیں۔ ابن تغری بردی نے الصفدی کے ایک حقیقی بھائی ابواسحاق جمال الدین ابراہیم بن ایبک بن عبداللہ الصفدی کے حالات اپنی کتاب میں درج کیے ہیں۔[۲۹] یہ معلومات انھوں نے الصفدی سے حاصل کیے ہیں۔ جمال الدین الصفدی کا سال ولادت ۷۰۰ھ ہے گویا وہ صلاح الدین الصفدی سے جن کا سال ولادت ۶۹۶ھ سے چار سال چھوٹے تھے۔ زندگی کے ابتدائی بائیس تیئس سال لہو ولعب میں گزارنے کے بعد ۷۲۳ھ میں وہ تعلیم کی طرف متوجہ ہوے۔ ''الفیہ لابن'' مالک مکمل اور کتاب ''التعجیز لابن یونس'' کا ایک ثلث انھوں نے حفظ کیا تھا۔ انھوں نے علی بن الرسام الصفدی، ابن الرحل النحوی (م ۷۴۴ھ) شیخ اثیر الدین ابوحیّان النحوی، ابن الناس (م ۷۳۴ھ) سے شام اور مصر میں تعلیم حاصل کی۔ ریاضی و ہیئت، حساب و فرائض کے مضامین سے ان کی گہری دل چسپی تھی۔ اپنے بڑے بھائی کی طرح جمال الدین ابراہیم الصفدی بھی اپنے ہاتھ سے اہم مخطوطات کی نقلیں تیار کرتے رہتے تھے۔ ''وکتب بخطہ عدۃ مجلدات'' اگر چہ کوئی مخطوط ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا اب تک دیکھنے میں نہیں آیا۔ اگر وہ مصنف تھے تو ان کی تصنیف کے وجود کی بھی اب تک اطلاع نہیں ہے۔ انھوں نے عمر زیادہ نہیں پائی ۳۲ سال کی عمر میں ۷۴۲ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔

الصفدی نے جواں مرگ بھائی کی وفات پر جو طویل مرثیہ لکھا ہے اس کا حسب ذیل مطلع ابن تغری بردی نے نقل کیا ہے۔[۳۰]

اذ لم یذب انسان عینی وأجفانی
علیک فما أقسی فوادی وأجفانی

الصفدی کے بیٹے تاج الدین محمد بن خلیل بن اَیبک کا ذکر ابن قاضی شھبۃ نے کیا ہے۔ یہ باپ کی طرح وجیہہ اور خوب صورت تھے۔ تعلیم انھوں نے شاید بہت زیادہ حاصل نہیں کی، غالبًا متوسطات پڑھ کر حکومت کے دفاتر سے منسلک ہو گئے تھے۔ پچاس سال کی عمر بھی انھوں نے پوری نہیں

کی تھی کہ طاعون کے مرض میں مبتلا ہو کر شوال ۸۰۰ھ میں انتقال کر گئے۔ مشہور مقبرہ ''الصوفیۃ'' میں دفن ہوئے۔ ۳۱

انشا پردازی:

ادب سے دل چسپی اور انشا پردازی کا شوق الصفدی کو اوائل عمر ہی سے تھا۔ عنفوان شباب ہی میں وہ پختہ نثر لکھنے پر قادر ہو گئے تھے اس لیے جب انھیں اپنے وطن صفد میں حکومت کے دیوان الانشا میں ''کاتب درج'' کا عہدہ تفویض ہوا تو انھوں نے قبول کر لیا۔ اس خدمت کو عرصۂ دراز تک قاہرہ میں بھی وہ بہ حسن و خوبی ذوق و شوق سے انجام دیتے رہے۔ الشوکانی نے لکھا ہے کہ قاہرہ میں وہ ''کاتب السر'' کے عہدے پر کام کرتے رہے۔ ۳۲ یہ معلوم ہے کہ وہ ۷۶۰ھ تک مصر ہی میں مقیم تھے۔ اس کے بعد جب وہ دمشق گئے تو وہاں کے دیوان الانشا میں ''کاتب الدست'' کی حیثیت سے کام کرنے لگے اور کچھ مدت کے لیے حلب میں ''کاتب السر'' کی ذمہ داری بھی انھوں نے قبول کر لی تھی۔ ۳۳ الرحبہ کے دوران قیام میں بھی یہی خدمت ان کے ذمے تھی۔ آخر عمر میں دمشق میں ''توقیع الدست'' کا عہدہ انھیں ملا اور بیت المال کی وکالت بھی انھیں تفویض ہوئی اور اپنی وفات، شوال ۷۶۴ھ تک وہ اسی عہدے پر مامور رہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی طبیعت حکومت کی ملازمت و وظائف سے زیادہ مطالعہ، تالیف و تصنیف کی طرف مائل تھی۔ اس لیے اس عرصے میں جہاں وہ اپنی انشا پردازی کی مشق بڑھاتے رہے، ساتھ ہی ساتھ مطالعہ کتب میں بھی منہمک رہے اور حدیث و فقہ، تاریخ، اسلام، فنون ادب اور دوسرے مروجہ علم میں انھوں نے پوری مہارت حاصل کر لی۔ اپنی زندگی کا بیش تر حصّہ انھوں نے اپنے فرائضِ منصبی انجام دینے، تالیف و تصنیف کا کام کرنے، درس و تدریس میں اور لوگوں کو فیض پہنچانے میں گزارا۔

حلب اور دمشق میں ان کے درس حدیث میں کثرت سے لوگ شریک ہوتے تھے اور دمشق کی جامع اموی میں بھی اصحاب ذوق اور اربابِ شوق ان سے استفادہ کرتے رہے۔ اسی زمانے میں ان کے شیوخ میں الذھبی اور ابن کثیر نے کچھ اجزاے کتب اور کچھ روایات ان سے سنیں اور اب وہ اسلامی دنیا میں مشہور مؤرخ محتاط سوانح نگار، ممتاز ادیب، کام یاب انشا پرداز اور نغز گو شاعر کی حیثیت سے ہر جگہ متعارف تھے۔

اسلوب نگارش:

الصفدی کے طرز بیان اور اسلوب نگارش کے متعلق صرف یہاں اس قدر لکھ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کا عہد وہ تھا جب القاضی الفاضل (م ۵۹۶ھ)، محی الدین بن عبدالظاہر (م ۶۹۲ھ)

اورعمادالدین الکاتب الاصفہانی (م۵۹۷ھ) کے طرزِ بیان اور اسلوبِ نگارش کا ہر طرف چرچا تھا۔ معمولی شاعر وادیب سے لے کر سلطان صلاح الدین ایوبی اوران کے امرا و وزرا اسی طرز تحریر کے گرویدہ تھے۔ ہر نوجوان ادیب یا دیوان الانشا اور دوسرے سرکاری دفاتر میں ملازمت کا متمنی، انھیں افاضل کے طرز کی پیروی اورتقلید واتباع کو اپنی کام یابی کی ضمانت سمجھتا تھا۔

الصفدی دستورِ زمانہ کے خلاف اپنی تاریخ وسیر کی تصانیف میں مسجع ومقفیٰ عبارتوں سے حتی الامکان اجتناب کرتے تھے۔ عمادالدین الاصفہانی کی ''خریدۃ القصر وجریدۃ اھل العصر'' محی الدین عبدالظاہر اور القاضی الفاضل کے مکاتبات ومراسلات اور الصفدی کی تصانیف ''الوافی بالوفیات'' اور ''اعیان العصر'' کے تقابلی مطالعے سے الصفدی اور مذکورۂ بالا مصنفین کے اسلوب کا فرق واضح ہوجاتا ہے۔ یہاں جن موضوعات سے اس صنعت کی خوب کھپت ہوسکتی تھی ان تصانیف میں سجع اور دوسرے محسنات لفظی ومعنوی کے جوہر دکھانے میں الصفدی اپنے متقدمین او معاصرین سے کسی طرح پیچھے نہیں۔ ان کی متعدد تصانیف میں مبالغہ وتصنع کی وہ سب خصوصیات جمع ہیں جو ان کے عہد کی نظم اور مرصع نثر کی جان ہیں۔ تجنیس خطی، تجنیس متشابہ کے طور پر ہم شکل الفاظ کے استعمال میں ان کی فنی مہارت ان کی تصانیف سے ظاہر ہوتی ہے۔

الصفدی کو حکومت کے دفاتر کی ملازمت سے کوئی اور فائدہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو لیکن ایک عمر تک حکومت کے دفاتر اور دیوان الانشا میں کام کرتے رہنے کی وجہ سے انھیں یہ فائدہ ضرور پہنچا کہ ان کا قلم بہت رواں ہوگیا۔ ہر قسم کی تحریر پر انھیں قدرت پیدا ہوگئی اور بہت کام یابی سے اپنے خیالات کو صفحۂ قرطاس پر لانے اور بہت جلد منتقل کرنے کا انھیں ملکہ حاصل ہوگیا۔ ان کی زود نگاری، بسیار نویسی اور ان کے صاحبِ تصانیفِ کثیرہ ہونے کا راز یہی ہے۔

شاعری:

الصفدی، شعر وشاعری میں بھی اچھی دست گاہ رکھتے تھے۔ انھوں نے شاعری کو کبھی اپنا پیشہ نہیں بنایا، نہ اسے وہ اپنے لیے ذریعۂ عزت سمجھتے تھے، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ وہ ایک قادرالکلام اور نغز گوشاعر تھے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: ''ولہ الاشعار الفائقۃ والفنون المتنوعۃ۔'' ابن قاضی شہبہ بھی ان کی ادبی مہارت اور شاعری کے معترف نظر آتے ہیں۔ [۳۴] ''مھر فی فن الادب وقال النظم الرائق۔'' الشوکانی نے لکھا ہے۔ [۳۵]

"وقال الشعر الحسن۔"

الصفدی اپنی ادبی تصانیف میں کثرت سے اپنے شعر بھی بہ طور استشہاد درج کرتے ہیں۔ ان کے شعر عالمانہ انداز کے ہوتے تھے۔ کہیں کہیں زبان اور خوب صورت ترکیبیں لطف دے جاتی ہیں۔ ان کے یہاں کچھ اشعار میں فکر وخیال کی گہرائی بھی ملتی ہے۔

علامہ بدرالدین الشوکانی نے الصفدی پر اعتراض وارد کیا ہے کہ وہ اپنے استاد ابن نباتہ کے اشعار کے مضامین اور خیالات وتصورات لے لیتے تھے اور اپنے شعر ان بنیادوں پر کھڑے کر لیتے تھے۔

"کان یختلس معانی شعر شیخہ ابن نباتہ وینظمھا لنفسہ، وقد صنف ابن نباتہ فی ذلک مصنفاً سماہ:

"خبز الشعیر الماکول المذموم" وبیّن سرقاتہ لشعرہ"۔

ابن نباتہ کہ یہ کتاب اب دنیا سے فنا ہے یا کم از کم اس کے وجود کی کہیں اطلاع نہیں ہے۔ اس کے مطالعے کے بعد ہی کوئی قطعی رائے قائم کی جاسکتی ہے، ویسے توارد اور سرقے کے درمیان جو باریک فرق ہے وہ اہلِ نظر پر مخفی نہیں۔

الصفدی کا دیوان مرتب تھا اور اس عہد میں مروج ومشہور تھا ابن تغری بردی لکھتے ہیں: ۳۶

"ودیوان شعرہ مشھور بأیدی الناس، وھو من المکثرین۔"

الصفدی کے دیوان کا اب تک مشرق ومغرب کے کسی کتاب خانے میں پتا نہیں چلا ہے ایسا لگتا ہے کہ نویں صدی ہجری کے بعد یہ دیوان ناپید ہوگیا۔ ان کے قصائد ومقطوعات کے کچھ اشعار متعدد مصادر جیسے؛

"النجوم الزاھرہ فی اخبار ملوک مصر والقاھرۃ"۔ ۳۷ "المنھل الصافی" لابن تغری بردی ۳۸ اور "المعجم المختص" للذھبی میں ملتے ہیں ۳۹ مؤخر الذکر کتاب میں مصنف نے ان کی نظم ونثر کے متعدد قطعات واقتباسات درج کیے ہیں۔

اس سلسلے میں السبکی کی "طبقات الشافعیۃ الکبریٰ" خاص طور پر دیکھی جائے جہاں ان کے متعدد مقطوعات درج ہوئے ہیں اور مؤرخ وشاعر بدرالدین الحسن بن عمر ابن حبیب الدمشقی الحلبی (م۷۷۹ھ) کی "درّۃ الاسلاک فی دولۃ الاتراک" کا مطالعہ بھی مفید ہوگا، جس میں الصفدی کا ایک طویل مکتوب سلطان صلاح الدین ایوبی کی مدح میں متعدد قصائد کے ساتھ نقل ہوئے ہیں، بعض ادبی وتاریخی کتابوں کا مطالعہ بھی اس سلسلے میں ناگزیر ہے۔ مثال کے طور پر شمس الدین محمد بن حسن النواجی (م۸۵۹ھ) کی "حلبۃ الکمیت"، عبدالرحیم العباس (م۹۶۳ھ) کی "معاھد التنصیص"۔

اس سلسلے میں خود الصفدی کی تصانیف کا مطالعہ بھی بہت ضروری ہے۔ جہاں ان کے اشعار بڑی تعداد میں بکھرے پڑے ہیں۔

الصفدی کے ہاتھ کی تحریرات:

الصفدی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ خط نسخ بہت خوب صورت لکھتے تھے۔ ان کا خط پختہ اور شانِ کتابت ''ملیح وجید'' تھا۔ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں: وتعانی صناعۃ الرسم فمھر فیھا۔'' ابن شھبہ نے ''کتب الخطّ المليح''، الشوکانی نے ''کتب الخط الجيد'' لکھا ہے اور الذھبی نے ان کے خط منسوب کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ کم عمری ہی میں انھوں نے کسی ماہر استاد سے خوش نویسی کا فن سیکھا تھا۔ اگر چہ وہ باضابطہ خوش نویس اور خطاط نہ بن سکے، لیکن مشق ومزاولت سے ان کا خط خوب صورت اور بہ قول ایک تذکرہ نگار کے ''الغایۃ فی الرصافۃ والمتانۃ'' ہوگیا تھا۔ بسیار نویسی اور زود نویسی کے باوجود آخر عمر تک الصفدی کا خط واضح اور خوب صورت رہا۔

الصفدی کی عمر کا بڑا حصہ کتابیں لکھنے، مخطوطات کی نقلیں تیار کرنے اور اپنی تصانیف کے لیے مفید معلومات کے نوٹس تیار کرنے میں گزرا۔[۳۴] راقم کے اندازے کے مطابق چھوٹی بڑی کوئی ہزار کے قریب اپنی اور دوسرے مصنفین کی کتابیں اور رسائل اپنی زندگی میں انھوں نے اپنے قلم سے لکھے ہوں گے۔ کتابوں کی کم یابی کے سبب اور پیشہ ور نقل نویسوں اور ناسخوں کے تیار کردہ نسخوں سے جو متون میں تبدیل وتغیر اور تصحیف وتحریف کی وجہ سے کبھی کبھی مجموعۂ اغلاط بن جاتے تھے، گم راہی اور اغلاط سے بچنے کے لیے وہ اہم مصنفین کی نادر اور ضروری تصانیف کی نقلیں اور خلاصے خود تیار کر لیتے تھے اور بعد کو اپنی تصانیف میں ان سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

الصفدی کا ایک دل چسپ مشغلہ، جسے ان کی عادت ثانیہ کہیے، یہ تھا کہ دوران مطالعہ وہ اہم کتابوں کے قیمتی معلومات اور نادر نکتے، خوب صورت نثر کے ٹکڑے، لطیف اشعار، دل چسپ خط کتابت، لطائف وظرائف ایک مذکّرہ (نوٹ بک) میں جمع کرتے جاتے تھے اور بعد کو اپنی تصنیفات میں موقع سے اور بڑے سلیقے سے ان سے استفادہ کرتے۔ ان ہی نوٹس اور اشاروں کا مجموعہ ان کی تصنیف ''التذکرہ'' ہے جو تیس جلدوں میں مکمل ہوئی اور جس کی ترتیب، موضوعات پر اس طریقے سے رکھی تھی کہ ان یادداشتوں سے جب وہ چاہتے، مطلوبہ معلومات حاصل کر لیتے۔ کبھی کبھی وہ نادر اور کم یاب تصانیف کا پورا خلاصہ ''التذکرہ'' میں درج کر دیتے۔ اس میں شبہ نہیں کہ

زندگی کی اس اچھی عادت نے انھیں اپنی تصانیف مرتب کرنے میں بڑی مدددی ہوگی۔ راقم کو یقین ہے ''الوافی بالوفیات'' جو تیس جلدوں پر مشتمل ہے، ''پیچھے اعیان العصر'' جو مشاہیر قرن ثامن ہجری کا مبسوط تذکرہ ہے اور چھ جلدوں میں مرتب ہوا ہے اور اس قسم کی دوسری تاریخ وسیر پر مشتمل کتابیں تصنیف کرنے میں اس ذخیرۂ معلومات سے انھیں بہت مدد ملی ہوگی۔ الصفدی اپنے ان جمع کردہ معلومات واشارات سے دوسروں کو بھی مستفید ہونے کا موقع دیتے تھے۔ چناں چہ تاج الدین السبکی لکھتے ہیں۔[41]

''اعارنی مرّۃ من تزکرتہ مجلداً، وکان یصنف کتاباً فی الوصف والتشبیہ وینظر علیہ التذکرہ، ویکتب علی کل مجلداذانجز: ''نجز التشبیہ منہ۔''

راقم الحروف کا خیال ہے کہ الصفدی جو کتاب اس وقت مرتب کر رہے تھے ممکن ہے وہی کتاب ہو جس کا نام السبکی نے ''الوصف والتشبیہ'' اور ابن حجر العسقلانی نے ''التشبیہ'' لکھا ہو۔ کتاب کی تکمیل کے بعد الصفدی نے اس کا نام ''الکشف والتشبیہ علی الوصف والتشبیہ'' رکھ دیا ہو۔

جو اصحابِ علم، شمس الدین الذھبی سے واقف ہیں، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کی بھی یہی عادت تھی۔ وہ بھی اہم قیمتی کتابوں کا اختصار اور نوٹس اپنے مطالعے کے لیے بہ طور یادداشت تیار کر لیتے تھے۔ ایسی کتابوں میں ''ذیل تاریخ بغداد'' لابن الدبیثی (م ۶۳۷ھ) کا اختصار ''المختصر المحتاج الیہ من تاریخ ابن الدبیثی'' قابلِ ذکر ہے۔ جمال الدین علی بن یوسف ابن القفطی (م ۶۴۶ھ) کی ''انباہ الرواۃ علی ابناہ النحاۃ'' (جس کی تلخیص کا ایک نسخہ جامعۂ لائیڈن کے کتاب خانے میں محفوظ ہے) کے سرورق پر الذھبی نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے: ''ھذا شئ لخصتہ لنفسی مختصراً۔'' الذھبی کی تیار کردہ اس تلخیص کا عکس میں لائیڈن سے لایا ہوں یہ عنقریب شایع ہوگا۔ تقی الدین ابوالفتح ابن الامام العسقلانی (م ۷۴۵ھ) کی ''سلاح المؤمن'' کا اختصار بھی الذھبی نے (بعداز ۷۳۰ھ) تیار کیا تھا۔

اسی طرح ابوعبداللہ الحاکم النیساپوری (م ۴۰۵ھ) کی حدیث کی مشہور کتاب المستدرک کو انھوں نے مختصر کیا تھا۔ ان دونوں مختصرات کا ذکر ابن قاضی شھبۃ الاسدی نے کیا ہے۔ الذھبی نے خود اپنی تصنیف ''تاریخ الاسلام'' کے جو ضخیم ترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ مختلف موضوعات پر متعدد مختصرات تیار کیے جن میں ''کتاب العبر''، ''سیر النبلا'' ''طبقات الحفاظ'' کے علاوہ اور بھی کئی کتابیں ہیں۔ ان میں ''طبقات القرا'' قابلِ ذکر ہے۔ ''تھذیب الکمال'' للمزّی (م ۷۴۲ھ) کا اختصار ''التھذیب'' فی مختصر تھذیب الکمال'' کے متعدد قلمی نسخے کتب خانوں میں محفوظ ہیں[42] ابوبکر احمد بن

الحسین بن علی البیہقی (م ۴۵۸ھ) کی کتاب ''السنن والآثار'' کا اختصار بھی الذھبی نے کیا ہے، اس کا ایک نسخہ دمشق میں موجود ہے۔

تاج الدین احمد بن عبدالقادر الحلبی ابن مکتوم القیسی (م ۷۴۹ھ) بھی کتابیں مستعار لے کر اپنے لیے ان کی تلخیص تیار کر لیتے تھے[۴۳] انباہ الرواۃ للقفطی کا ایک ٹکڑا مکتوبہ ۶۴۶ھ مکتبۂ فیض اللہ استانبول میں محفوظ ہے اس کے آخر میں لکھا ہے ''لخص ھذا المجلد لنفسہ احمد بن مکتوب القیسی''، یعنی اس نسخہ سے ابنِ مکتوب نے اپنے ستفادے کے لیے یہ تلخیص تیار کی ہے انھوں نے اس اصل نسخہ پر بہ طور یادداشت نوٹ تحریر کر دیا تھا۔ ابنِ مکتوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ دار الکتب المصریہ قاہرہ میں محفوظ ہے اور راقم الحروف کی نظر سے گزر چکا ہے۔

یہی حال ابن قاضی شھبہ الاسدی (م ۸۵۱ھ) مؤلف طبقات الشافعیہ کا ہے جنھوں نے تہذیب الکمال للمزی، تاریخ الاسکندریہ للنویری، الانساب لابن السمعانی، نخبۃ الدھر لشمس الدین محمد الانصاری الدمشقی، ''تاریخ دمشق'' لابن عساکر، ''العبر'' للذھبی، ''تاریخ الدول'' لابن الفرات، تاریخ الاسلام للذھبی، ''تاریخ الاسلام'' لابن دقماق، طبقات فقہا الیمن للجعدی اور کئی کتابوں کے ملخصات ومختصرات تیار کیے۔[۴۴]

الصفدی بہت محتاط مصنف تھے اور کام یاب مؤلف، ان کے پاس کتابوں کا خاصا ذخیرہ تھا، ظاہر ہے کتابوں کے بغیر مواد کی فراہمی نہیں ہو سکتی اور اعلیٰ قسم کی علمی کتابیں نہیں لکھی جا سکتیں۔ اپنے کتب خانے کے لیے جو کتابیں وہ حاصل کرتے تقی الدین احمد بن علی المقریزی (م ۸۴۵ھ) اور صارم الدین ابراہیم بن محمد المعروف بابن دُقماق (م ۸۰۹ھ)، ابنِ مکتوم القیسی، ابوبکر بن احمد رستم الشروانی (م ۱۱۳۹ھ) اور بعض دوسرے علما کی طرح اپنی مملوکہ کتابوں پر اپنے دستخط ضرور ثبت کر دیتے تھے۔

مشہور رسولی فرماں روا اور مصنف داؤد بن یوسف بن عمر بن علی بن رسول (م ۷۲۱ھ) کا کتب خانہ بہت وسیع تھا۔ ان کے کتب خانے کی کتابوں کی تعداد ایک لاکھ بتائی جاتی ہے۔ امتداد زمانہ سے یہ کتابیں فنا ہو گئیں ان کے کتب خانے کی جو کتابیں میں نے دیکھی ہیں یا جن کی مجھے اطلاع ہے ان پر وہ بھی بالالتزام اپنے دستخط ثبت کرتے تھے۔

دیوان عدی بن الرقاع العاملی، بروایت ثعلب یہ نسخہ ایران میں ہے اور اس پر الاستاد حسین علی محفوظ نے ایک مختصر سا مضمون تحریر کیا ہے۔[۴۵] یہ نسخہ پانچویں صدی ہجری کا لکھا ہوا ہے اور اس پر

متعدد مالکوں نے اپنی تملیکات درج کی ہیں۔ یہ نسخہ داؤد بن یوسف بن عمر بن علی بن رسول کے کتب خانے کا ہے اور اس پر بھی ان کی تحریر موجود ہے۔

ترکیہ، مصر، شام، یورپ اور ہندستان میں کم از کم پندرہ بیس ایسے عربی مخطوطات راقم السطور کی نظر سے گزرے ہیں، جن پر الصفدی کی تملیکات درج ہیں۔ ان کی مملوکہ کتابوں کے سرورق پر عام طور پر: ''من کتب صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی'' یا مختصر طور پر ''من کتب خلیل بن ایبک الصفدی'' لکھا ہوا ملتا ہے۔

بعض کتابوں پر الصفدی اپنے قلم سے اپنے شاگردوں اور اجازت لینے والوں کو سماعات اور اجازات کی سندیں لکھ دیا کرتے تھے۔ ایسے چند مخطوطات اب بھی محفوظ ہیں اور بیش تر راقم کی نظر سے گزرے ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھیے ''نصرۃ الثائر علی المثل السائر'' اور ''الوافی بالوفیات'' کے وہ مخطوطات جن کی بنیاد پر یہ کتابیں شایع ہوئیں۔ ان میں بعض پر تقی الدین السبکی اور کچھ دوسرے اصحاب کی سماعات و اجازات بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔

امیر شہاب الدین احمد بن الامیر شمس الدین سنقر بن عبداللہ الدوادار الصفدی اور الحاج الفاضل الشیخ علاالدین علی بن الحاج احمد الصفدی اور ان کے بھائی الشیخ شہاب الدین احمد الصفدی نے ''الوافی بالوفیات'' کا جو حصہ الصفدی سے پڑھا تھا وہ سیرۃ نبویہ پر مشتمل ہے۔ الصفدی کی یہ اجازت ۷۴۸ھ کی لکھی ہوئی الوافی کے ایک نسخے پر ثبت ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر نامناسب نہ ہوگا کہ الصفدی کی تصنیفات کے چند مخطوطات اب بھی ایسے مل جاتے ہیں جو کُلّاً یا جزءاً الصفدی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں:

۱۔ ''الوافی بالوفیات'': اس کی کچھ جلدیں کتب خانۂ نورِ عثمانیہ، ترکیہ میں بہ خط مصنف محفوظ ہیں۔

۲۔ ''اعیان العصر'': اس کتاب کی بھی بعض جلدیں مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ترکیہ کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔

۳۔ ''صرف العین عن صرف العین فی وصف العین'': اس کے کچھ اجزا بہ خط مصنف برلن میں کتب خانۂ شاہی میں محفوظ تھے میں نے ۱۹۵۵ء میں جامعہ ماربرگ اور جامعہ ٹوبنگن (جرمنی) میں جہاں برلن کے کتب خانے کا پورا عربی و فارسی اردو کا ذخیرہ کتب دوسری جنگ عظیم میں حفاظت کے خیال سے بھیج دیے گئے تھے تلاش کیے لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔

۴۔ ''دیوان الفصحا و ترجمان البلغا'': یہ نسخہ بہ خط مؤلف ویانا کے کتب خانہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

۵- ''غوامض الصحاح للجوہری'' کے دقائق پر الصفدی کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ جس کی کتابت انھوں نے ۷۲۷ھ میں کی ہے کتب خانۂ اسکوریال (ہسپانیہ) میں محفوظ ہے (رقم: ۱۹۲)

السبکی نے لکھا ہے کہ جب ان کی کتاب ''جمع الجوامع'' مرتب ہوئی تو الصفدی نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر اس کی ایک نقل تیار کی: ''لما اخرجت مختصر أفي الاصلین المسمٰی بجمع الجوامع، کتبہ بخطہ۔''

اس نسخے کے وجود کی کسی کتاب خانہ میں اطلاع مل جائے تو الصفدی کے قلم کے لکھے ہوئے موجودہ نسخوں میں ایک اور نسخے کا اضافہ ہو جائے۔

تصانیف:

صلاح الدین الصفدی کا شمار اسلام کی تاریخ میں ان مصنفین میں ہوتا ہے جنھوں نے مختلف موضوعات پر کثرت سے کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان کی تصانیف میں ضخیم مجلدات بھی ہیں، جیسے ''التذکرۃ''، ''الوافی بالوفیات'' یہ دونوں کتابیں تیس تیس جلدوں میں مکمل ہوئیں۔ ''أعیان العصر و أعوان النصر'' جس میں انھوں نے معاصرین کے حالات سپردِ قلم کیے ہیں، چھے ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اوسط درجے کی ضخامت کی کتابوں میں ''الغیث المسجم فی شرح لامیۃ العجم'' قابلِ ذکر ہے، جو دو جلدوں میں مکمل ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ ان کے مختصر رسالے ہیں جن کی تعداد خاصی ہے۔

الصفدی کی تصانیف کی صحیح تعداد حتمی طور پر بتائی نہیں جا سکتی۔ اس لیے کہ ان کی کچھ تصانیف رواج زمانہ نہ پا سکیں اور ضائع ہو گئیں کچھ اہم کتابیں دست بردِ زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ خود الصفدی نے اپنی تصانیف کی تعداد چھ سو سے زائد بتائی ہے۔

ابن کثیر نے تعداد دو سو کے قریب بتائی ہے[۴۶] ابن العماد کہتے ہیں کہ الصفدی اپنی خود نوشت سوانح حیات میں پچاس کے قریب تصانیف کی تعداد بتاتے ہیں۔[۴۷] نصرۃ السائر کے مرتب الاستاد محمد علی سلطانی نے بروکلمان کے حوالے سے ۴۶ تصنیفات کے نام درج کیے ہیں، ان میں ۱۲ کتابیں مطبوعہ ہیں۔ ۳۴ کتابوں کے نسخے کسی نہ کسی کتب خانے میں محفوظ ہیں اور بقیہ تصنیفات مفقود ہیں، کچھ کتابوں کے نام ابن حجر العسقلانی اور دوسرے مصنفین کے یہاں ملتے ہیں۔ ان کی تصانیف کی ترویج و اشاعت میں ان کے شاگرد شیخ خلیل بن محمد الحلبی الشافعی کا بھی ہاتھ ضرور رہا ہے جن کے متعلق الصفدی خود لکھتے ہیں ''نسخ جملۃ من تصانیفی'' میری ساری تصانیف کی نقلیں انھوں نے تیار کی ہیں۔

بعض علما، صاحب تصانیف کثیرہ ہوتے ہیں لیکن ان کی اصل علمی شہرت کی بنیاد دراصل ایک دو کتابوں پر ہی قائم ہو جاتی ہے۔ تاج الدین عبدالوہاب السبکی (متوفی ۷۷۱ھ) کو لیجیے ان کی بیس

(۲۰) سے زائد تصانیف ہوں گی۔ دو چار چھپی بھی ہیں بقیہ گوشۂ گم نامی میں پڑی ہیں، لیکن ان کی شہرت صرف ''طبقات الشافعیۃ الکبریٰ'' کی وجہ سے ہے، جو اس موضوع پر اب بھی حرفِ آخر کا درجہ رکھتی ہے اور علمائے شوافع کے حالاتِ زندگی کے لیے بعض نایاب کتابوں کی اشاعت کے بعد بھی سب سے اہم مصدر و مرجع ہے۔ خطیب بغدادی اور ابن عساکر الدمشقی متعدد کتابوں کے مصنف ہیں لیکن ان کی شہرت ''تاریخ بغداد'' اور ''تاریخ دمشق'' سے ہوئی۔ کم و بیش یہی حال معمولی سے فرق کے ساتھ صلاح الدین الصفدی کا ہے۔

الصفدی کی تصانیف چار حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہیں:

الف۔ تصانیف جو شایع ہو چکیں۔

ب۔ تصانیف جو شایع نہیں ہوئی ہیں لیکن کتب خانوں میں ان کے نسخے محفوظ ہیں۔

ج۔ تصانیف جن کے وجود کی اب تک اطلاع نہیں ملی ہے لیکن مصنفین نے ان کا ذکر کیا ہے۔

د۔ تصانیف جو ظاہراً ضائع ہو گئیں اور جن کا کسی مصنف نے بھی ذکر نہیں کیا ہے۔

الصفدی کی شایع شدہ کتابیں حسب ذیل ہیں:

''نکت الہمیان، الغیث المسجم، جنان الجناس، لذۃ السمع فی صفات الدمع، دمعۃ الباکی، تمام المتون فی شرح رسالۃ ابن زیدون، الوجوہ العابسۃ بذکر نسب الجراکسۃ، وصف العلال الارب من غیث الادب، اُمراء دمشق فی الاسلام، نصرۃ الثائر علی المثل السائر، اور الوافی بالوفیات''۔

''اُمراء دمشق'' کو الاستاذ صلاح الدین المنجد نے اور ''نصرۃ الثائر'' کو الاستاذ محمد علی سلطانی نے مجمع اللغۃ العربیۃ، دمشق سے شایع کیا ہے۔ ''الوافی'' کی نشر و اشاعت کا سہرا ''الجمعیۃ المستشرقین الالمانیۃ'' کے سربراہ اور مشہور محقق اور فاضل الاستاذ ہیلمٹ رٹّر کے سر ہے جنھوں نے اس کی پہلی جلد مرتب کر کے استانبول کے مطبع میں چھپوائی بعد کی جلدیں سویڈن کے الاستاذ دیدرنغ نے مرتب کیں اور دمشق کے مطبع میں چھپیں۔ یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔ عمومی طور پر ابھی تک کوئی بائیس جلدیں شایع ہوئی ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس کام کا بوجھ صرف جرمن اورینٹل سوسائٹی پر نہ ڈالا جائے، کچھ جلدیں دوسرے ادارے بھی شایع کریں۔ چناں چہ ایک جلد کی اشاعت کی اطلاع دمشق کے مجلۃ اللغۃ العربیۃ سے ملی ہے۔

الصفدی کی غیر مطبوعہ کتابوں کی فہرست، جیسا کہ اوپر تحریر ہوا، بروکلمان کی تاریخ الادب العربی میں ہے اور الاستاذ محمد علی سلطانی نے نصرۃ الثائر کے مقدمے میں درج کی ہے۔ یہاں میں صرف

یہ اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ الصفدی کی کتاب الشعور بالعور کا ایک قلمی نسخہ الاستاذ محمود العابری مدیر دائرۃ الثقافۃ والفنون، عمان، شرق اردن کے ذاتی کتاب خانے میں ہے اور وہ اس کتاب کو مکتبۂ خالدیہ کے نسخے سے مقابلہ کر کے شایع کرنے والے تھے۔

الصفدی کی ان تصانیف میں جو مخطوطے کی شکل میں محفوظ ہیں، ''اعیان العصر'' جس کے کچھ حصے اور ''دیوان الفصحا'' جو کاملاً بہ خط مصنف ہے جس قدر جلد شایع کر دیے جائیں بہتر ہے۔

الصفدی کی جن کتابوں کا اب تک پتا نہیں چلا ہے ضرورت ہے کہ ان کی تلاش جاری رکھی جائے۔ خاص طور پر ذاتی کتاب خانوں میں، ممکن ہے کوئی گوہر شب تاب کہیں چھپا ہوا مل جائے۔

جو تصانیف ان کی اب بھی غارت ہونے سے بچ گئی ہیں ان کی تعداد پچاس کے قریب ہو گی۔ جن میں دس بارہ کتابیں چھپ چکی ہیں اور جن کے مطالعہ سے علوم عربی میں ان کی اعلیٰ استعداد، اچھی صلاحیت، وسیع واقفیت کا پتا چلتا ہے۔ یہ کتابیں بلاشبہ اپنے موضوعات و محتویات کے لحاظ سے اہم ہیں لیکن الصفدی کی تصانیف میں صحیح معنوں میں شہرت وافادیت کے لحاظ سے کوئی کتاب ان کی تصنیف ''الوافی بالوفیات'' کا، جسے لوگ ''التاریخ الکبیر'' کہتے ہیں، مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس ایک کتاب نے انھیں زندہ جاوید مصنف بنا دیا ہے اور انھیں شہرت دوام بخش دی ہے۔ ''أعیان العصر وأعوان النصر'' بھی میرے خیال میں بہت اہم اور مفید کتاب ہے دراصل یہ ''الوافی'' ہی کی تلخیص ہے۔

''الوافی'' سے الصفدی کے مطالعہ کی وسعت، علمی نکات و لطائف کو سلیقے سے پیش کرنے کا فن ظاہر ہوتا ہے۔ خوب صورت اشعار اور اہم نثری شہ پاروں کے انتخاب سے ان کے اعلیٰ ذوق پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوعات و مندرجات کے لحاظ سے تاریخ اور تذکرے کی اہم ترین کتابوں میں شمار کیے جانے کے لائق ہے۔

ابتداے اسلام سے اپنے عہد تک گویا سات آٹھ صدیوں کے اہم لوگوں کا حروف معجم کی ترتیب پر اس کتاب میں ذکر ہے جس میں بعض اصحاب کے حالات تفصیلی ہیں اور بعض کے مختصر۔ اصحاب تراجم کی تعداد چودہ ہزار تک جا پہنچتی ہے۔ اس میں خلفاے راشدین، صحابہ و تابعین، ملوک و امرا، قضاۃ و عمال وزرا و قرا، محدثین و فقہا مشائخ و صلحا، ارباب عرفان و اولیا، نحاۃ و ادبا، کتاب، شعرا، اطبا و حکما، عقلا، اصحاب النحل والبدع والآرا اور دیگر اعیان فضلا کی زندگی کے حالات درج ہیں۔

حوالے وحواشی:

۱۔ ابن السمانی: کتاب الانساب (۳۹۶:۴) طبع دائرۃ المعارف، حیدرآباد۔

۲۔ صدر سابق (۳۹۶:۴)۔

۳۔ کشف الاستار۔عمر رضا کحالہ، معجم المؤلفین، ج ہ، دمشق ۱۹۵۸ء، ص ۲۲۷۔

۴۔ کشف الاستار وھتک الاستار (عمر رضا کحالہ، معجم المؤلفین ج ۱۳، ص ۳۴۰)۔

۵۔ یہ کتاب مخطوطے کی شکل میں محفوظ ہے راقم کا خیال اسے جلد مرتب کر کے شایع کرنے کا ہے۔

۶۔ ابن قاضی شھبۃ: تاریخ ابن قاضی شھبۃ

۷۔ البورینی: تراجم الاعیان من أبناء الزمان، رقم: ۹-۹۵۔

۸۔ النجوم الزاھرہ (۱۹:۱۱)

۹۔ الشوکانی: البدر الطالع (۲۴۳:۱)

۱۰۔ ابن قاضی شھبۃ، طبقات الشافعیۃ (۱۱۹:۳)

۱۱۔ ابن حجر العسقلانی: الدرر الکامنۃ (۸۷:۲)

۱۲۔ ونشا علی ما ینشا علیہ ابنا المما لک نشاۃ عربیۃ خالصۃ" (کرد علی: کنوز الاجداد: ۳۰۸)

۱۳۔ "ان اباہ لم یمکنہ من الاشغال حتی استوفی عشرین سنۃ" السبکی: طبقات الشافعیہ (۱۹۴:۶)؛ نیز دیکھیے البدر الطالع (۲۴۳:۱)

۱۴۔ السبکی: طبقات الشافعیۃ الکبریٰ (۱۹۴:۶) نیز دیکھیے البدر الطالع (۲۴۳:۱)

۱۵۔ ابن نباتہ نے جو اجازت روایت تدریس کی الصفدی کو لکھ کر دی تھی، وہ راقم کی نظر سے نہیں گزری، لیکن ڈاکٹر محمد موسیٰ پاشا نے اس کا ذکر کیا ہے۔ دیکھیے مطلع الفوائد ومجمع الفوائد لابن نباتہ ص ۳۶۶ حاشیہ ا

۱۶۔ الصفدی: نصرۃ الثائر: ۵۶

۱۷۔ البدر الطالع (۲۴۳:۱)۔

۱۸۔ السبکی: طبقات الشافعیۃ الکبریٰ (۱۵:۱) مقدمہ کتاب

۱۹۔ صدر سابق (۱۹۴:۶)

۲۰۔ ابن تغری بردی: المنھل الصافی (۴۲:۱)

۲۱۔ صدر السابق (۱۷۵:۱)

۲۲۔ ابن حجر العسقلانی: الدرر الکامنۃ (۸۸:۲)

۲۳۔ الشوکانی: البدر الطالع (۲۴۳:۱)۔

۲۴۔ طبقات الشافعیۃ (۱۹۴:۶)

۲۵ ابن قاضی شھبہ: تاریخ (۴۱۱:۱)
۲۶ اابن تغری بردی: المنہل الصافی (۴۲:۱)
۲۷ ابن قاضی شھبہ: تاریخ (۴۱۱:۱)
۲۸۔ صدر سابق (۴۹۵:۱)
۲۹ ابن تغری بردی: المنہل الصافی (۱: ۴۰۔۴۲
۳۰ مرجع سابق (۴۲:۱)
۳۱ ابن قاضی شھبۃ: تاریخ (۶۸۳:۱)
۳۲ البدر الطالع (۲۴۴:۱)
۳۳ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ (۳: ۱۴۰)
۳۴ ابن قاضی شھبۃ: طبقات الشافعیۃ الکبریٰ (۳: ۱۲۰)
۳۵ الشوکانی: البدر الطالع (۲۴۴:۱)
۳۶ النجوم الزہرۃ (۱۹:۱۱)
۳۷ مصدر سابق
۳۸ ابن تغری بردی: المنہل الصافی (۲: ۲۵) نیز دیکھیے (۱: ۲۵۵) جہاں مؤلف نے صاحب الموشحات شہاب الدین الموصلی اور ان کی ایقاع میں الصفدی کے کلام الوافی یا ان کی کسی اور تصنیف سے نقل کیا ہے۔
۳۹ الذھبی: المعجم المختص نسخہ جامعہ علی گڑھ۔
۴۰ کتب بخطۃ الکثیر ابن قاضی شھبہ: الطبقات الشافعیہ (۳: ۱۴۰)
۴۱ السبکی: طبقات الشافعیۃ (۶: ۹۵)
۴۲ بروکلمان (۶: ۱۸۹) ترجمہ عربی دار المعارف قاہرہ ۱۹۷۷
۴۳ ابن مکتوم کے متعلق ابن حجر لکھتے ہیں: رایت منہ الکثیر بخطہ وفلما وقفت علی کتاب من الکتب الادبیہ من شعر و تاریخ الاعلیہ ترجمۃ مصنف الکتاب منہ اکثر مکتوم ھذا الدرا لکامنۃ (۱: ۱۸۷ھ)
۴۴ ابن شھبہ: طبقات الشافعیۃ، مقدمہ مصحح: ۲۴
۴۵ مجلۃ المجمع العلمی: ۵۲۰ (دمشق، ۱۹۵۸ء)
۴۶ ابن کثیر: البدایہ والنھایۃ (۱۴: ۳۰۳)
۴۷ ابن العماد: شذرات الذہب (۶: ۳۰۱)

فہرستِ اسنادِ محولہ

۱۔ ابن تغری بردی: ''المنھل الصافی'' قاہرۃ، ۱۹۵۶ء۔

۲۔ ابن تغری بردی: ''النجوم الزاھرۃ'' قاہرۃ، ۱۹۳۲ء۔

۳۔ ابن حجر العسقلانی: ''الدرر الکامنۃ'' ۱۹۷۶ء۔

۴۔ ابن السمعانی: ''کتاب الانساب'' حیدرآباد، ۱۹۷۸ء۔

۵۔ ابن قاضی شھبۃ: ''تاریخ ابن قاضی شھبۃ'' دمشق، ۱۹۷۷ء۔

۶۔ ابن قاضی شھبۃ: ''طبقات الشافعیۃ'' حیدرآباد دکن، ۱۹۷۸ء۔

۷۔ ابن کثیر: ''البدایۃ والنھایۃ'' قاہرۃ، ۱۹۳۲ء۔

۸۔ ابن العماد: ''شذرات الذھب'' قاہرۃ، ۱۹۵۵ء۔

۹۔ ابن نباتۃ: ''مطلع الفوائد ومجموع الفوائد''۔

۱۰۔ البورینی: ''تراجم الأعیان، من أبناء الزمان''۔

۱۱۔ الذھبی: ''معجم المختص'' نسخہ جامعۃ علی گڑھ۔

۱۲۔ السبکی: ''طبقات الشافعیۃ الکبریٰ'' قاہرۃ، ۱۹۲۴ء۔

۱۳۔ الشوکانی: ''البدر الطالع'' قاہرۃ، ۱۹۴۸ء۔

۱۴۔ الصفدی ''نصرۃ الثائر''۔

۱۵۔ بروکلمان: ''تاریخ الادب العربی'' ج ۶، قاہرۃ، ۱۹۷۷ء۔

۱۶۔ عمر رضا کحالۃ ''معجم المؤلفین'' دمشق، ۱۹۵۷ء۔۱۹۶۱ء۔

۱۷۔ کرد علی ''کنوز الاجداد'' دمشق، ۱۹۵۰ء۔

۱۸۔ ''مجلۃ المجمع العلمی'' دمشق، ۱۹۵۸ء۔